

مذہبی انتہاپسندی اقوام عالم میں

محترم سید عزیز الرحمن (نائب مدیر: ششماہی السیرہ عالمی)

آج کل عام طور پر مسلمانوں خصوصاً مسلمانوں میں سے بھی مذہبی طبقے پر انتہاپسندی کا الزام عائد کیا جا رہا ہے، یہ الزام لگانے والے تاریخ کا یا تو بالکل علم ہی نہیں رکھتے، یا جان بوجھ کر تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں، حقائق کی اگر بات کی جائے تو صورت حال اس سے کہیں مختلف نظر آتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں مذہبی انتہاپسندی نہ تو مسلمانوں کے ساتھ وابستہ ہے، نہ اس کی تاریخ محض چودہ سو سال قدیم ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ خود مسلمان اس وبا کا سب سے زیادہ شکار ہوئے ہیں اور پھر لطیفہ یہ ہے کہ مذہبی انتہاپسندی کے رجحانات صرف اس طبقے میں ہی نہیں پائے جاتے جو اپنے آپ کو مذہبی کہلاتا ہے یا دوسرے حضرات اُسے مذہبی تصور کرتے ہیں، بلکہ ان رجحانات کا ایک بہت بڑا حصہ اس طبقے میں بھی پایا جاتا ہے، جو لاندہیت کا دعوے دار ہے، یہ ایک عجیب صورت حال ہے، زیر نظر سطور میں اسی حوالے سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

انتہاپسندی اور بنیاد پرستی: انتہاپسندی اور بنیاد پرستی مغرب کی جانب سے کی جانے والی تعریف کی رو سے بھی کوئی ایسی چیز نہیں جس کا نام نہ کر مسلمان کسی قسم کی شرمندگی یا احساس ندامت محسوس کریں، یہ ایک گلوبل حقیقت ہے، ایک غیر مسلم مغربی قلم کار کیرن آرم اسٹراٹگ کے بقول:

”بنیاد پرستی ایک عالمی حقیقت ہے اور ہماری جدیدیت کے جواب میں ہر بڑے عقیدے میں رونما ہو چکی ہے، بنیاد پرستانہ یہودیت ہے، بنیاد پرستانہ عیسائیت ہے، بنیاد پرستانہ ہندومت ہے، بنیاد پرستانہ بدھ مت ہے، بنیاد پرستانہ سکھ مت ہے اور یہاں تک کہ بنیاد پرستانہ کنفیوشس مت بھی موجود ہے۔“ (۱۶۵)

حقیقت یہ ہے کہ انتہاپسندی اور بنیاد پرستی ایک عالمگیر حقیقت ہے اور ہر طبقہ فکر، ہر مذہب اور ہر علاقے میں موجود ہے، فرق صرف یہ ہے کہ بعض چیزیں میڈیا کے اس دور میں سامنے آگئی ہیں یا انہیں بعض مقاصد کے تحت سامنے لایا جا رہا ہے، جب کہ بعض دوسری ان سے بڑی حقیقتیں مناسب کو رتج نہ ملنے کے سبب پس منظر میں چلی گئی ہیں اور بد قسمتی سے آج اسلام اس حوالے سے خصوصی ہدف بنا ہوا ہے، جس کے اسباب ہمیں اسلام میں نہیں آج کی مخصوص بین الاقوامی اور عالمی سیاست میں تلاش کرنے ہوں گے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ انتہاپسندی خود اہل مذہب کے ساتھ خاص نہیں، درحقیقت جس طرح یہ انتہاپسندی خدا کو ماننے والے اہل مذہب (آسمانی مذاہب) کے

ہاں پائی جاتی ہے، اسی طرح لامذہبیت کے دعوے دار اور سیکولر ازم کے علمبردار بھی اس سے بری نہیں، بلکہ بعض صورتوں میں تو وہ اہل مذہب سے زیادہ انتہا پسند نظر آتے ہیں، آخر انہیں بھی تو انتہا پسندی کہا جائے گا جو یہ کہتے ہیں کہ: ”خدا کا تصور اپنی افادیت کے آخری مقام پر پہنچ چکا ہے، وہ مزید ترقی نہیں کر سکتا، مافوق الفطرت طاقتیں اصل مذہب کا بوجھ اٹھانے کے لیے انسانی ذہن نے اختراع کی تھیں، پہلے جادو پیدا ہوا، پھر روحانی تصرفات نے اس کی جگہ لی، پھر دیوتاؤں کا عقیدہ ابھرا اور اس کے بعد ایک خدا کا تصور آیا، اس طرح ارتقائی مراحل سے گذر کر مذہب اپنی آخری حد تک پہنچ کر ختم ہو چکا ہے، کسی وقت یہ خدا ہماری تہذیب کے ضروری مفروضے اور مفید تخیلات تھے، مگر اب جدید ترقی یافتہ عہد میں وہ اپنی ضرورت اور افادیت کھو چکے ہیں“ (۲۶۶) اور سائنس کا ایک پروفیسر کہتا ہے کہ ”سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مذہب تاریخ کا سب سے زیادہ دردناک اور سب سے بدترین ڈھونگ تھا۔“ (۳۶۶) سیکولر ازم اگرچہ اس دعوے کے ساتھ ابھرا تھا کہ کسی ملک کی اجتماعی پالیسی مذہبی امور میں عدم مداخلت کی بنیاد پر استوار کی جائے گی، مگر عملاً وہ ایک زبردست مخالف مذہب قوت بن گیا۔ (۴۶۶) ایسے میں کیرن آرم اسٹرانگ کی یہ رائے کس قدر حقیقت پسندانہ اور گہری گواہی کی حیثیت رکھتی ہے کہ ”مذہب نے ماضی میں ظلم و ستم کیا ہے، تاہم سیکولر ازم نے اپنی مختصر تاریخ میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بھی اتنا ہی تشددانہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، اکثر و بیشتر سیکولر جارحیت اور ایذا رسانی نے ہی مذہبی عدم رواداری اور نفرت میں اضافہ کیا ہے۔ (۵۶۶) دلچسپ بات یہ ہے کہ بنیاد پرستی کی اصطلاح کا باقاعدہ اور پہلی بار آغاز بھی عیسائیت ہی کی طرف سے کیا گیا، اس اصطلاح کو سب سے پہلے امریکی پروٹسٹنٹوں نے استعمال کیا تھا، بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں ان میں سے بعض نے زیادہ لبرل پروٹسٹنٹوں سے ممتاز کرنے کے لیے اپنے آپ کو بنیاد پرست کہنا شروع کر دیا۔ ان کی رائے میں لبرل پروٹسٹنٹ عیسائی عقیدے کو مکمل طور پر مسخ کر رہے تھے۔ (۶۶۶)

انتہا پسندی اور اسلام: دیکھا جائے تو اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اسلام خود انتہا پسندی کے زرخ میں ہے اور مسلمانوں کو مذہبی بنیادوں پر دنیا کے بہت سے ممالک میں بنیادی انسانی حقوق کے حصول میں دشواری اور مشکلات کا سامنا ہے اور انہیں مختلف حوالوں سے ہراساں کیا جا رہا ہے، یہ صورت حال پوری دنیا میں ہے مگر مغرب کا رویہ خصوصیت سے افسوسناک اور قابل مذمت ہے، اس اعتبار سے بھی کہ انسانی حقوق رواداری، برداشت، تحمل اور اعتدال پسندی کی جن اعلیٰ و ارفع روایات کا ان کی جانب سے دوسروں خصوصاً مسلمانوں کو درس دیا جا رہا ہے خود ان کے ہاں اس کے نصف حصے پر بھی عمل ہوتا ہوا نظر نہیں آ رہا، وہ روادار ہیں لیکن صرف اپنے معاملات میں، وہ اعتدال پسند بھی ہیں مگر محض اپنوں کے لیے، دوسروں کے لیے ان کا وہ قطعاً وہ نہیں جو ان کا اپنے شہریوں کے ساتھ ہے اور ان کے اقدامات کے غیر عادلانہ ہونے کے لیے یہی ثبوت کم نہیں۔

انتہا پسندی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی قوم یہ تصور کر لے کہ نہ صرف حق اس کے پاس ہے بلکہ اس کے

لیے یہ ضروری ہے کہ اسے دوسروں پر مسلط کیا جائے اگر مخاطب نہ مانے تو اس پر تشدد کیا جائے اور اس سے بزدل منوایا جائے، مذہب کے معاملے میں یہ ذہنیت آپس میں ٹکراؤ بلکہ جنگوں کو جنم دیتی ہے، ایسا کی بارتاریخ میں ہوا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے (☆۷) اور موجودہ حالات میں پہلے افغانستان اور پھر عراق پر امریکی حملہ اس کی تازہ ترین مثال ہیں۔

اصل حقیقت: پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو اگر بنیاد پرست اور قدامت پسند اس بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ وہ ترقی سے گریزاں ہیں یا جدید اکتشافات و ایجادات سے خوف زدہ ہیں اور ان سے استفادہ کرنے سے انکار کرتے ہیں اور قدیم انداز میں ہی رہنا اور زندگی گذارنا پسند کرتے ہیں تو یہ الزام سراسر الزام ہی ہے اور کچھ حقیقت نہیں رکھتا، مسلمانوں میں ایسا کوئی گروہ، فرقہ یا ٹولہ موجود نہیں جو اس قسم کے یا اس سے ملے جلتے نظریات یا خیالات رکھتا ہو، جبکہ اس کے برعکس خود عیسائیوں میں ایسے گروہ موجود ہیں جو محاورے میں حقیقتاً آج بھی جنگلی زندگی کو نہ صرف پسند کرتے ہیں اور اس پر قانع ہیں بلکہ شہری تمدن کی تمام روایات، لوازم اور آسائشیں ان کے لیے ممنوع ہیں، مثال کے طور پر لنکاسٹر کاؤنٹی امریکہ کی ریاست پنسلوینیا میں ہے، یہاں آتش لوگ کثیر تعداد میں آباد ہیں، یہ لوگ بجلی، فون، گیس اور دیگر سائنسی سہولتیں استعمال نہیں کرتے، دستی آلات سے کھیتی باڑی کرتے ہیں، گھوڑا گاڑی کے ذریعے سفر کرتے ہیں اور صدیوں پرانی طرز پر زندگی بسر کرتے ہیں، آتش لوگ تین سو برس قبل جرمنی سے امریکہ جا کر آباد ہوئے تھے، کٹر مذہبی لوگ ہیں، چرچ کی راہنمائی پر یقین رکھتے ہیں، امریکہ میں رہنے کے باوجود اس نظام سیاست میں شریک نہیں ہیں، نہ ووٹ مانگتے ہیں نہ دیتے ہیں، موسم بتی اور لائٹن کی روشنی میں رہتے ہیں، مقامی سطح پر تیار کردہ گیس استعمال کر لیتے ہیں، عورتیں گھریلو زندگی بسر کرتی ہیں، مردوں کے لیے سیاہ لباس، ڈاڑھی اور سر پر ہیٹ پہننا لازمی ہے، فوٹو نہیں کھنچواتے اور نہ ہی گھر میں رکھتے ہیں۔ خجروں کے ذریعے کھیتی باڑی کرتے ہیں، گھوڑوں والی کبھی ان کا عام ذریعہ سفر ہے، دستی ہینڈ پمپ اور ہوائی پمپوں سے چلنے والے نلکے ان کے ہاں پانی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں، وہ صدیوں پرانی رسوں پر سختی کے ساتھ کاربند ہیں، ان کی تعداد امریکہ میں نوے ہزار کے لگ بھگ ہے، یہ چوبیس ریاستوں میں پھیلے ہوئے ہیں، لنکاسٹر کاؤنٹی میں ان کا گاؤں ”انٹرکورس“ کے نام سے معروف ہے۔ (☆۸) اسلام کی آمد سے قبل دنیا جہاں ان گنت مصائب سے دوچار تھی وہیں مذہبی شدت پسندی بھی عروج پر تھی، اور مذہبی آزادی کا کوئی تصور نہ تھا۔ علامہ فرید وجدی کے بقول:

”مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرنے میں بے رحمی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جو لوگ انکار کرتے تھے، وہ بھڑکتی ہوئی آگ کے حوالے کیے جاتے اور پھاڑنے والے حیوانات کے آگے ڈال دیے جاتے تھے، یا انگی دونوں ٹانگیں دو گھوڑوں کے پاؤں میں باندھ کر ان کو مختلف سمتوں میں چھوڑ دیتے تھے، تاہم پکھلا کر ان پر ڈالتے تھے، ان کو مدھم آگ پر کئی کئی

روز تک لٹکائے رکھتے تھے اور انکی شور و فریاد اور آہ و فغاں کی بالکل پروا نہیں کرتے تھے، ان کا گوشت کٹ کٹ کر گر جاتا اور چربی پکھل کر بہتی جاتی تھی۔“ (۹۶۷)

آئیے دیکھتے ہیں کہ مختلف حکومتوں اور مذہبوں کا ماضی و حال میں اس حوالے سے کیا کردار ہے؟

روما: قبل از اسلام دو اہم حکومتوں میں سے ایک روما کی حکومت ہے، اس کے بارے میں دستیاب تفصیلات یہی بتاتی ہیں کہ وہاں دیگر اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کے علاوہ مذہبی انتہا پسندی بھی عروج پر تھی اور یہ عالم تھا کہ جس کسی شخص کے بارے میں بھی یہ علم ہوتا تھا کہ وہ ان کی قید سے نجات حاصل کرنے کا خواہاں ہے، تو وہ فوراً اس کے بارے میں الحادوار تذکار نوئی دے کر اسے آگ میں جلا دیتے تھے یا اسے ایسے دردناک عذاب میں مبتلا کرتے تھے کہ جس سے جانوروں کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتیں۔ (۱۰۶۷) پھر رومی سلطنت میں ایک اور فتنہ عروج پر تھا، وہ تھا عیسائیوں کا باہمی تصادم، یہ تصادم عیسائیوں کے اس وقت کے دو معروف فرقوں کے مابین تھا، ایک تھے روم و شام کے ملکانی (Malkite) اور دوسرے تھے مصر کے مینوفرائس (Monophysites) ان میں سے پہلے فرقے کے عقائد کو حکومت وقت کی سرپرستی حاصل تھی جس نے اسے بہ جبر پوری ریاست پر مسلط کرنے کی کوشش کی، مخالفین کو سخت ترین سزائیں دیں اور دونوں فرقے ایک دوسرے کو بد دین قرار دیتے رہے۔ (۱۱۶۷)

ایران: دوسری جانب اہل ایران نے قوم پرستی کو مذہب کا درجہ دے رکھا تھا اور یہ قوم پرستی اس انتہا پر تھی کہ وہ خیال کرتے تھے کہ انہیں دنیا کی ہر قوم و نسل پر برتری حاصل ہے، اسی لیے یہ دوسری اقوام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کے لیے ایسے نام تجویز کرتے تھے، جن میں تمسخر اور تضحیک کا انداز نمایاں ہوتا تھا۔ (۱۲۶۷)

ہندومت: ہندومت میں مذہب کی بنیاد طبقات پر ہے، اس بنا پر طبقاتی تقسیم اس کے ہاں سب سے زیادہ ہے، لیکن اس کی انتہا پسندی کا یہ عالم ہے کہ برہمن ہی کو سب اختیار حاصل ہیں، اس کے مقابلے میں شودر کا درجہ انسانیت سے بھی کم تر ہے، ہندومت کا مذہبی قانون منو شاستر کے نام سے معروف ہے، جسے منوجی نے مرتب کیا تھا، اس کے چند حصے ملاحظہ کیجئے تاکہ ہندومت کا یہ انتہا پسندانہ پہلو سامنے آ سکے۔

① دنیا میں برہمن سب سے افضل ہے، برہمن دھرم کی مورت، نجات کا مستحق، دھرم کے خزانے کا محافظ ہے، دنیا میں جو کچھ ہے سب برہمنوں کے لیے ہے۔ (۱۳۶۷) ② برہمن خواہ عالم ہو یا نہ ہو، بڑا دیوتا ہے اگرچہ برہمن دنیاوی کاموں میں بہت سی غلطیاں کرتا ہے، تاہم ایشور کا جاننے والا ہونے کے سبب پوجنے کے قابل ہے۔ (۱۴۶۷) ③ برہمن کا حق ہے کہ وہ غلام شودر سے دولت چھین لے اور شودر اس میں کچھ تامل نہ کرے، اس لیے کہ وہ دولت کچھ اس کی ملکیت نہیں۔ (۱۵۶۷) ④ زنا بالجبر کی سزا قطع عضو تاسل ہے، لیکن برہمن کو یہ سزا نہ دینی چاہیے، اس لیے کہ اس کو سزائے جسمانی دینے کی ممانعت ہے۔ (۱۶۶۷) ⑤ جو شودر با آواز بلند نام لے کر کہے کہ تو فلاں برہمن سے نیچے ہے تو اس کے منہ میں بارہ انگلی کی آہنی میخ آگ میں سرخ کر کے جلتی ہوئی ڈالنی

چاہیے۔ (۱۷۶)

اس کے علاوہ ہندو مت کی تعلیمات میں دوسرے مذاہب کے بارے میں بھی انتہا پسندی کے رجحانات کافی نمایاں ہیں، سوامی دیانند کے الفاظ دیکھیے۔ دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو، دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ دو، گائے، بیل اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کر دو، جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے، اسی طرح دشمنوں کو تڑپا تڑپا کر ہلاک کر دو۔ (۱۸۶) اور متحدہ ہندوستان میں جب انگریز کی پشت پناہی میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں شروع کیں تو مسلمانوں کے بارے میں ان کے کیا خیالات تھے؟ اور ہندوؤں کو ان کے رہنماؤں کی کیا ہدایات تھیں اس کا اندازہ ڈاکٹر کشوراوبلی رام کی اس رائے سے کیجیے، وہ کہتا ہے: ہندوستان کا پورا کوچک ہندوؤں کا ہے جو اس میں ہزار ہا سال سے رہتے سہتے چلے آئے ہیں اور مسلمان دنیا کے اس حصے میں اجنبی اور غیر ملکی ہیں۔ (۱۹۶) ہندوؤں کی عدم برداشت کا یہ عالم تھا کہ انہیں مسلمانوں کا اس خطے میں رہنا گوارا ہی نہ تھا، راج کمار اتھلی نے ہندو مسلم اتحاد کا یہ طریقہ کار پیش کیا تھا! بلاشبہ ہندو مسلم ایکتا (اتحاد) نہیں ہو سکتی ہے، جب تک سب مسلمان شدہ ہو کر ہندو نہ ہو جائیں۔ (۲۰۶) ہندوستان میں مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے وارد ہا منصوبہ کے نام سے ایک تعلیمی پروگرام بھی شروع کیا گیا تھا، جس میں ہندوؤں کے علاوہ مسلمانوں کے لیے بھی مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا لازمی تھی، اردو اسکولوں کے ہیڈ ماسٹروں کو ڈسٹرکٹ امراؤتی کے لوکل بورڈ کی جانب سے یہ حکم جاری ہوا تھا۔ صداقت اور عدم تشدد کا تمام عالم کو پیغام دینے والی عظیم المرتبت ہستی مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا اور ان کے بلند نظریوں کے متعلق حاضرین کو نیک ہدایت دی جائے۔ (۲۱۶) ہندوؤں کا یہ اچھا عدم تشدد تھا جس میں جبر ایک ایسے مذہب کو پوجا پاٹ پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ جو بت پرستی کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کا عملی دعویٰ رکھتا ہے۔

عیسائیت: عدم برداشت کے سلسلے میں عیسائیت کی تاریخ ہندوؤں سے کم خفت آمیز نہیں ہے، ان کے بارے میں ایک انگریز ہی کا یہ تبصرہ خاصہ بر محل ہے کہ! عیسائیت اپنے دور ابتلا میں صلح و آشتی، عفو و درگزر کی تبلیغ کرتی رہی، لیکن اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں نے بجائے عفو و درگزر سے کام لینے کے اپنے مخالفین سے عبرت ناک انتقام لیا، کلیسا کا دستور تھا کہ ہر مخالفت کو بزورِ شمشیر کچلا جائے، غیر مذہب کے لوگوں کے لیے عیسائی بننے یا موت کے سوا کوئی راستہ نہ تھا، ایک راستہ شدید ایذا کا، دوسرا ناقابل برداشت جسمانی اذیت کا۔ (۲۲۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ عرصہ قبل ۶۱۰ء میں شہنشاہِ فوقا (Phocas) نے یہودیوں کی سرکوبی کے مشن پر اناطولیہ میں اس دور کے معروف فوجی افسر بنوسوس (Bonosus) کو بھیجا، جس نے پوری یہودی آبادی کا خاتمہ کر دیا اور اس طرح کہ ہزاروں کو تلوار سے سینکڑوں کو دریا میں غرق کر کے، آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کیا۔ (۲۳۶) عیسائیت نے اسلام سے قبل یہودیوں کو بھی اپنے جبر کا نشانہ بنایا اور پھر اس کے ۲۰ برس بعد ۶۳۰ء میں رومی سلطنت کے شہنشاہ ہرقل (Heraclius) نے عیسائی پادریوں اور مذہبی رہنماؤں

کے ایما پر مفتوحین کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی سلطنت میں صرف وہی یہودی باقی بچے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں یہ چھپے رہنے میں کامیاب ہو گئے۔ (۲۴☆)

اسی طرح تاریخ ہسپانیہ اور سانچہ سقوطِ غرناطہ کا مطالعہ بھی اس سلسلے میں اہمیت رکھتا ہے جہاں عیسائیت کو یورپ کے قلب میں مسلمانوں کا وجود تک برداشت نہ ہوا، حالانکہ مغرب کو اس امر کا خود اعتراف ہے کہ اس نے علوم و فنون میں ہسپانیہ سے خوب خوشہ چینی کی ہے، معروف مسلم دانش ور محمد ماراڈیوک پکتھال کا تبصرہ اس معاملے میں مکمل طور پر مبنی بر حقیقت ہے وہ کہتے ہیں: کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہسپانیہ عقلیہ اور اریالیہ میں مسلمانوں کا ایسا قتل عام ہوا کہ ان ممالک میں مسلمانوں کا نام لیوا بھی باقی نہیں رہا، کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یونان کی ۱۸۲۱ء کی بغاوت میں مسلمانوں کو چن چن کر یوں قتل کیا گیا کہ ان کا نام و نشان مٹ گیا اور ان کی مسجدوں کی لفظاً و معنایاً اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ (۲۵☆)

عیسائیت کی مذہبی انتہاپسندی کا بیان صلیبی جنگوں کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا، یہ جنگیں طویل عرصے تک جاری رہیں۔ صلیبی جنگوں کی تاریخ کچھ یوں ہے کہ مسلمانوں کی جانب سے ساتویں صدی میں شام کو فتح کر لینے کے بعد تین صدیاں صلح و امن سے گزریں، اس کے بعد ترک حکمرانوں نے ایشیائے کوچک کا سارا علاقہ رومن شہنشاہوں سے لے لیا۔ درحقیقت صلیبی جنگوں کا یہ اولین محرک تھا، شہنشاہ الیکسر (Alexis) یوں تو اپنے مغربی عیسائی بھائیوں سے میل جول نہیں رکھتا تھا، لیکن اس موقع پر اس نے ان سے تعاون کی درخواست کر دی، اس وقت اطالویوں نے ایشیائے کوچک اور فلسطین کے ساحل پر اپنی آبادیاں قائم کر رکھی تھیں، انہیں اپنی مقبوضات کی فکر دامن گیر ہوئی، انھوں نے ایک غیر مسلم مغربی قلم کار کے بقول ”مسلمانوں کے ظلم اور عیسائیوں کی مظلومیت کی داستانیں مشہور کر دیں اور یوں یورپ میں جوش و اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔“ (۲۷☆) جب انھوں نے ۱۰۹۲ھ/۱۰۹۹ء میں بیت المقدس کو فتح کیا تو اس وقت ان کے مظالم کی تصور کشی مشہور انگریز مورخ اسٹینلے لین پول (Stanley Lanpoel) نے کی ہے: صلیبی سپاہی ملک میں اس طرح گھسے جیسے کوئی پرانی لکڑی میں چبڑھونکے، تھوڑی دیر کو یہی معلوم ہونے لگا کہ درخت اسلام کے تنے کو چیر کر اس کی جھپٹیاں اڑا دیں گے۔ عیسائیوں نے اس موقع پر مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ایک اور گواہی دیکھیے۔ ”بیت المقدس میں فاتحانہ داخلے پر صلیبی مجاہدین نے ایسا قتل عام مچایا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے جو مسجد عمر سوار ہو کر گئے گھنٹوں گھنٹوں خون کے چشمے میں ڈوبے ہوئے تھے، بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیوار سے دے مارا گیا، یا ان کو چکڑے کر فسیل سے پھینک دیا گیا۔“ (۲۸☆)

پھر عیسائیوں کے سینکڑوں فرقوں کے باہمی تعلقات بھی کوئی رواداری پر مبنی نہیں، اس فرقہ پرستی کے ذریعے بھی مذہبی انتہاپسندی کے مظاہر سامنے آتے رہتے ہیں، یاد رہے کہ ان کے یہ اختلافات ماضی قدیم سے چلے آ رہے ہیں، چنانچہ کچھ عرصے قبل جنوبی امریکہ کی کونسل آف چرچز نے یہ فیصلہ کیا کہ چلی میں منعقد ہونے والی اسمبلی میں رومن

کیتھولک نمائندوں کو نہ بلایا جائے، اس فیصلے کی وجہ وہاں پرنسٹن اور کیتھولک فرقوں کے باہمی اختلافات ہیں، جب کہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کونسل کے مقاصد میں اتحاد و اتفاق، مکالمہ اور باہمی تعاون بھی شامل ہے۔ (۲۹۶)

اسی طرح دوسری جانب پرنسٹن راہنماؤں نے جو جنوبی میکسیکو کی ۴۰ فیصد آبادی کی نمائندگی کرتے ہیں کہا ہے کہ ہم گزشتہ بیس برس سے ظلم و ستم برداشت کر رہے ہیں، اور ہمارے ہزار ہا خاندانوں کو محض اس بنا پر ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا گیا ہے کہ انھوں نے پرنسٹن مسیحیت قبول کر کے مقامی روایات کی تکذیب کی ہے اور اب وہ مسیحی برادری کا حصہ نہیں رہے، صرف یہی نہیں بلکہ ان کے متعدد گرجے بھی ضبط کر لیے گئے ہیں۔ (۳۰۶)

اہم بات یہ ہے میکسیکو میں خود کیتھولک بھی دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، ان کے بڑے مذہبی رہنما ایک طرف ہیں اور چھوٹے پادری اور عوام دوسری جانب ہیں۔ (۳۱۶) اسی طرح آئرلینڈ میں بھی پرنسٹن اور کیتھولک عیسائیوں کے مابین آویزش جاری ہے، چند سال قبل ان میں شدید ہنگامے پھوٹ پڑے اور یہ جھگڑا کئی ہفتوں تک جاری رہا، اس دوران پانچ تاریخی گرجے جلادینے گئے۔ دونوں فرقوں نے ایک دوسرے کے گھروں کو لوٹا، حتیٰ کہ مخالف فرقے کے گھر میں دتی بم پھینک کر تین معصوم بچوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ برطانیہ نے فوج منگوائی، نینک، بکتر بند گاڑیاں حرکت میں آئیں اور تب اس طرح حالات کو قابو کیا جا سکا۔ (۳۲۶)

یہودیت: اگرچہ مذہبی انتہاپسندی سب ہی مذاہب کے ہاں پائی جاتی ہے۔ لیکن یہودیت کے بارے میں تو کہہ سکتے ہیں کہ ان کی توپوری تاریخ ہی انتہاپسندی سے پُر ہے اور ہر طرح کی انتہاپسندی یہودیوں کے مزاج کا حصہ ہے، نہ صرف یہ بلکہ معلوم تاریخ میں ہمیں مذہبی انتہاپسندی کے بانی بھی یہی نظر آتے ہیں، چنانچہ اس نوع کی انتہاپسندانہ کارروائیوں کا پہلا سراغ سرزمین فلسطین پر سکری (Sicarii) فرقہ کی جدوجہد ۶۶ء تا ۷۰ء کے دوران ملتا ہے۔ یہ ایک انتہائی منظم مذہبی گروہ تھا جو فلسطین میں یہودیت کے فروغ کے لیے معرض وجود میں آیا، اس دہشت گردی کے مختلف طریقے اختیار کیے اس نے اکثر ایسے مقامات پر حملوں کو فروغ دیا جہاں مجمع ہوتا تھا، اس گروہ کا مخصوص ہتھیار Sica نامی چھوٹی تلوار تھا جسے وہ اپنے کوٹ کی آستینوں میں چھپا کر رکھتے تھے۔ قتل عام اس طرح کیا جاتا تھا کہ حملہ آور کی شناخت مشکل ہو جاتی تھی، انھوں نے گرجا گھروں کو تباہ کیا، لوگوں کے اکٹھا ہونے کی جگہوں کو جلادیا گیا، قرض داروں کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ قرضہ واپس نہ کریں۔ (۳۳۶) یہودیت کی انتہاپسندی کی داستان جیسا کہ عرض کیا گیا بہت طویل ہے لہذا سردست گفتگو کو اسرائیل اور مسئلہ فلسطین تک محدود رکھتے ہوئے اس سلسلے میں یہودیوں کے کردار اور ان کی انتہاپسندانہ سرگرمیوں کی چند جھلکیاں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ مسئلہ آج کے اہم مسائل میں شمار ہوتا ہے اور یہودی انتہاپسندی کی واضح مثال بھی ہے۔

فلسطین اسرائیل کے قیام سے قبل عرب دنیا کا ایک اہم حصہ تھا جو شام سے علاحدہ حیثیت رکھتا تھا، اس کی

آبادی نوے فیصد عرب تھی۔ (۳۴۶) لیکن اعلان بالفور کے ساتھ ہی دنیا کے مختلف ممالک سے یہودیوں کا سیلاب فلسطین کی طرف اُٹ پڑا، جس کے نتیجے میں جنگ عظیم اول کے بعد فلسطین میں آباد صرف ۲۶۰۰ یہودی جو مختلف دیہاتوں میں بکھرے ہوئے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے ۸۳ ہزار کی ایک منضبط اور خوشحال قوم میں تبدیل ہو گئے، عربوں کی زمین دھڑا دھڑ بکنے لگی اور زمینوں کی کاشت اور منڈیوں سے عرب بے دخل کیے جانے لگے۔ (۳۵۶) ان اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ فلسطین کی سرزمین خود فلسطینیوں پر ہی تنگ ہو گئی اور وہ اپنے ہی ملک میں اجنبی بن گئے، آخر کار مئی ۱۹۴۸ء میں انھوں نے علاحدہ یہودی ریاست اسرائیل کے قیام کا باضابطہ اعلان کر دیا، اس وقت سے آج تک ہر آنے والا لمحہ فلسطینیوں کے لیے درد و الم کی نئی داستانیں لے کر آ رہا ہے۔ فلسطینیوں پر ظلم و جبر کی داستان ایڈورڈ سعید اس طرح بیان کرتے ہیں: ”۱۹۴۸ء کے بعد مملکت اسرائیل نے مقامی عرب آبادی کو خود اپنے انسانی آوار اور نشانات مٹانے کے لیے استعمال کیا، اس کی کوشش یہ تھی کہ انہیں انسانوں کے ایک ایسے طبقے میں تبدیل کر دیا جائے جن کے پاس سوچنے کے لیے اپنا دفاع نہ ہو جو بمشکل حرکت کر سکیں اور اور مکمل طور پر مطیع و فرمانبردار رعایا بن جائیں، ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد مغربی کنارے، جولان کی پہاڑیوں، غزہ کی پٹی اور سینائی کے مقبوضہ عرب علاقوں میں سفاکی، شقاوت اور درندگی نے نگانہ ناچ ناچا، ایذا رسانی کا کون سا طریقہ تھا جو عربوں کے خلاف نہیں آزمایا گیا، انہیں عقوبت گاہوں میں پابند سلاسل رکھا گیا، ملک بدر کیا گیا، پورے پورے دیہات کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی، کیمیاوی ادویات چھڑ کر فصلوں اور درختوں کی ہریالی ختم کر دی گئی، مکانات کو زمین بوس کر دیا گیا، زمینیں ضبط کر لی گئیں، ہزاروں افراد پر مشتمل آبادیوں کی منتقلی عمل میں لائی گئی۔“ (۳۶۶) یہودی صرف دوسرے مذاہب کے بارے میں انتہا پسند نہیں، بلکہ وہ اپنے ہم مذہبوں کی بھی فکری آزادی اور اختلاف رائے برداشت نہیں کرتے، مثلاً ایک زمانے میں ان میں ایک فاضل شخص ڈووبر پیدا ہوا، جو عام یہودیوں سے مختلف ذہن رکھتا تھا، یہودیوں نے اسے تسلیم نہیں کیا اور بالآخر یہودیوں کے اس وقت کے ایک راہنما اور اکیڈمی آف وانا کے سربراہ ایلی جاہین سولومن زیلمن (۲۰۷۷ء) نے اسے برادری سے خارج کر دیا اور ڈووبر کا اسی صدمے سے انتقال ہو گیا۔ (۳۷۶)

غرض یہ کہ تمام ہی مذہب انتہا پسندانہ جذبات کا شکار ہیں، خود مغرب کا ریکارڈ بھی اسی حوالے سے چنداں لائق ستائش نہیں، حال ہی میں فرانس میں طالبات پر اسکولوں میں حجاب پر پابندی کا قصہ اخبارات کی شہ سرخیوں کی زینت بنا رہا ہے، پھر جب برطانیہ میں مسلمانوں نے اپنے بچوں کے لیے الگ اسکولوں کی درخواست کی تو اس پر بھی اکثر غصے کا اظہار کیا گیا، حالانکہ یہی لوگ یہودیوں، رومن کیتھولکوں اور کوئنگز (Quakers) کے لیے علاحدہ اسکولوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ (۳۸۶)

خواہشی حوالہ جات:

- ۱☆ کیرن آرم اسٹراٹگ (Karen armstrong)، مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال، اردو ترجمہ: (Islam A short History)، لاہور نگارشات، ۲۰۰۳ء، ص ۱۸۰☆ ۲☆ P.131 Man in the modern world. ۳☆ Quoted by C.A.Coulsan..Science and Christian Belife-۴☆ مولانا وحید الدین خاں، دین انسانیت، کراچی، فضلی سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، ۱۹۹۷ء، ص ۳۰۰☆ ۵☆ مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال، ص ۱۹۵☆ ۶☆ کیرن آرم اسٹراٹگ، خدا کے لیے جنگ، اردو ترجمہ: The Battle for God، لاہور، نگارشات، ۲۰۰۳ء، ص ۱۶☆ ۷☆ پروفیسر عبدالماجد، اسلام اور عصر حاضر کے مسائل کا حل، ماسنہرہ، ہزارہ سوسائٹی فار سائنس ریسرچ ڈائیاگنک، ۲۰۰۳ء، ص ۱۳☆ ۸☆ مولانا زاہد الراشدی، ماہنامہ الشریعہ، مدیر: حافظ محمد عمار خان ناصر، دسمبر ۲۰۰۳ء، ص ۹☆ ۹☆ فرید وجدی، المدینۃ والا سلام، مصر، ص ۱۳☆ ۱۰☆ ایضاً، ۵۱☆ ۱۱☆ ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص ۳۵☆ ۱۲☆ ابوالحسن ندوی، ص ۳۵☆ ۱۳☆ منوشاستر، باب ۹، منتر ۳۱۴☆ ۱۴☆ منوشاستر، باب ۹، منتر ۳۱۶☆ ۱۵☆ منوشاستر، باب ۸، منتر ۴۱۷☆ ۱۶☆ منوشاستر، باب ۸، منتر ۳۶۴☆ ۱۷☆ منوشاستر، باب ۲، منتر ۲۷۲☆ ۱۸☆ چوہدری غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، لاہور، علمی کتاب خانہ، ۱۹۸۰ء، ص ۱۰۱☆ ۱۹☆ منشی عبدالرحمن خاں، تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی، لاہور، ادارہ اسلامیات، ص ۲۴☆ ۲۰☆ ایضاً، ص ۲۸☆ ۲۱☆ تفصیل کے لیے دیکھیے سید فضل الرحمن، تحریک پاکستان کے فکری محرکات، کراچی، زوار اکیڈمی، پہلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص ۷۰☆ ۲۲☆ Atrur Gilman, The Scaracens, London, 1887, P.184 ۲۳☆ انسان دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، ص ۴۷☆ ۲۴☆ محولہ بالا ۲۵☆ محمد مارماڈیوک پکتھال، اسلامی کلچر، اردو ترجمہ پروفیسر محمد ایوب منیر، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ص ۸۲☆ ۲۶☆ ہنڈرک وان لون، نوع انسان کی کہانی، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص ۱۶۴☆ ۲۷☆ اسٹیٹ لین پول، سلطان صلاح الدین، ترجمہ مولوی محمد عنایت اللہ، ص ۲۱☆ ۲۸☆ Encyropaedia Britannica Col. vi, Art, "Crusades" ۲۹☆ ریکارڈ، لندن، ۱۶ فروری ۱۹۹۵ء ۳۰☆ ایضاً ۳۱☆ ایضاً ۳۲☆ ماہنامہ الدعوة، لاہور، اگست ۱۹۹۸ء ۳۳☆ انعام الرحمن سحری، دہشت گردی، لاہور، سنگ میل پہلی کیشنز، ص ۱۹☆ ۳۴☆ چودھری غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، لاہور، علمی کتب خانہ، ص ۴۰۵☆ ۳۵☆ پروفیسر ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمن، ڈاکٹر محمد دین، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ یہودیت، پشاور، تاج کتب خانہ، ص ۲۹۳☆ ۳۶☆ ایڈورڈ سعید، مسئلہ فلسطین، ترجمہ: شاہد حمید، لاہور، ایلفا برادرز، ص ۳۳۱☆ ۳۷☆ کیرن آرم اسٹراٹگ، خدا کے لیے جنگ، اردو ترجمہ: The Battle for God، لاہور، نگارشات، ۲۰۰۳ء، ص ۱۵۵☆ ۳۸☆ کیرن آرم اسٹراٹگ، مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال، ص ۱۹۱☆

☆☆☆